امروہہ میں عزاداری: تاریخی پس منظر اور صورت حال

سید غلام حیدر

امروہہ کو اگر 'امروہا' لکھا جائے تو کربلا کا ہم عدد (۲۵۳) ہوتے ہوئے وہاں کے عزاداروں کو ایک اور باعث افتخار خصوصیت حاصل ہوجاتی ہے اس لئے یہاں عزاداری کے بارے میں ۲۰۰۳ء میں راقم الحروف نے لکھا تھا:

''غالبًا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ امروہہ کی آبادی کی پوری معاشی، سماجی زندگی عمومی طور پر، اور شیعہ آبادی کی خصوصی طور پر، محرم کے محور پر یا اس کے چاروں طرف گھومتی ہے...... عام طور پر شادیاں تک ذی الحجہ کے مہینے (کے آخری دنوں) میں ہوتی ہیں تا کہ...... شرکت کے فوراً بعد...... باہر سے آئے ہوئے لوگ محرم میں بھی آسانی سے شریک ہوسکیں...... ان دس دن میں ایسے عزیز و اقربا سے ملاقات کی صورت پیدا ہوجاتی ہے جنہیں برسوں پہلے کبھی دیکھنا نصیب ہوا تھا''۔[۱]

یوں تو ہندوستان کے گوشے گوشے میں عزاداری کی جاتی ہے اور ہر ہر قریے تک میں اپنی مخصوص رسوم، پابندیاں اور ضوابط ہیں، اور ہر جگہ کے عزادار اپنے ہی طریقوں کے عادی ہیں، جو وحدت میں کثرت کا ایک غیر معمولی مظہر بھی ہے۔ مگر امروہہ کی عزاداری کی کچھ خصوصیات دوسری جگہوں سے قدرے مختلف محسوس ہوتی ہیں۔ نیچے بیان کی گئی اجمالی تفصیلات سے اس کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پروفیسر عزیزالدین کے اس بیان سے کہ:

''جہاں تک اس قصبے کا تعلق ہے، شمالی ہندوستان میں عزاداری کے سلسلے میں یہ لکھنؤ کے بعد اگلے درجے پر آتا ہے''۔[۲]

یہاں کی عزاداری کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

تاریخ واسطیہ (تاریخ امروہہ، مطبوعہ ۱۳۰۸ھ) میں باقاعدہ امام باڑوں کی تعداد ۵۰ بتائی گئی

۱- مطبوعہ کتابچہ بعنوان 'امروہہ کی عزاداری، اہمیت اور مستقبل کی فکر'، غلام حیدر ۲۰۰۳ء، ص ۲

۲- پروفیسر عزیزالدین حسین Medieval Towns-A Case stUdy of Amroha & Jalali 1995، ص ۲۳

ہے۔[۱] جو ۲۷-۱۳۲۶ھ میں ۲۷ یا ۴۷ ہوگئی۔[۲] یہ وہ امام باڑے ہیں جو قدیم ہیں اور شیعہ وقف بورڈ میں باقاعدہ رجسٹرڈ ہیں۔ ان میں وہ چھوٹے امام باڑے شامل نہیں ہیں جو بہت سی خواتین محرم کی چاند رات سے ۸ ربیع الاول تک پابندی سے اپنے گھروں میں سجاتی ہیں اور روزانہ وقت مقررہ پر نوحہ خوانی اور ماتم کرتی ہیں۔ مولانا محمد سیادت، موجودہ امام جمعہ و جماعت کے بیان کے مطابق امام باڑوں کی کل تعداد تقریباً ۱۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔[۳] ایک قصبے کے چھوٹے بڑے ۳۱ محلوں میں رجسٹرڈ امام باڑوں کی اتنی بڑی تعداد غالباً پورے ملک میں ملنا مشکل ہے۔

تاریخ

یہ قصبہ، جو اب کچھ عرصے سے ضلع میں تبدیل ہوکر 'جیوتیبا پھولے نگر' ہوگیا ہے، گو کہ اس سے امروہہ خاص کے نام، تہذیبی نقوش اور عام رہن سہن میں بہت کم فرق رونما ہوا ہے، دہلی سے شمال مغرب میں ۱۳۶ کلومیٹر کی دوری پر بڑی قدیم بستی ہے۔ محمود احمد عباسی نے مرادآباد گزیٹر کے حوالے سے[۴]، اور پروفیسر عزیزالدین حسین نے امپیریل گزیٹر آف انڈیا (کلکتہ ۱۹۰۸ء) کے حوالے سے امروہہ[۵] کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے بنسی خاندان کے راجہ جودھ نے جو ۴۷۴ ق م میں تخت نشیں ہوا تھا، آباد کیا تھا۔ سالار مسعود غازی نے ۱۱۹۳ء میں امروہہ کو فتح کرکے مسلمانوں کا تسلط قائم کیا۔[۶] غیاث الدین تغلق (۱۳۲۵-۱۳۲۰) کے دور میں سہروردی سلسلے کے ایک بزرگ سید شرف الدین حسین شاہ ولایت (جن کی اولاد وہاں ابھی تک نقوی سید کی حیثیت سے آباد ہے) امروہہ تشریف لائے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں اسے ایک 'چھوٹا خوبصورت شہر'[۷] کہا ہے۔ سلطنت دور میں امروہے کا ذکر لگ بھگ متواتر نظر آتا ہے۔ مغل دور میں خصوصاً اس میں بڑے بڑے منصبدار اور جاگیردار ہوئے اور سید محمد میر عدل قاضی القضات جیسے عہدے پر فائز نظر آئے۔ بہت بڑی تعداد میں بڑی بڑی مافیہات اور جاگیریں عطا ہوئیں اور اس بستی میں علم و فضل، دولت و ثروت، شعر و سخن، تہذیب و تمدن کا چرچا رہا، جس میں عزاداری کا خصوصی دخل بعد کے شواہد سے صاف محسوس ہوتا ہے۔

۱- تاریخ واسطیہ، رحیم بخش ۱۳۰۸ھ، ص ۲۰ ۲- امروہہ کے عزاخانے (تاریخ، تفصیل کوائف)، علی عباس نقوی، ص ۷-۱۵
۳- ایضاً، ص ۲۲ ۴- تاریخ امروہہ، محمود احمد الہاشمی العباسی، مطبوعہ ۱۹۳۰ دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۵، ص ۲۶
۵- پروفیسر عزیزالدین حسین، ص ۱۱ ۶- ایضاً، ص ۱۱ ۷- محمود احمد عباسی، ص ۳۶، ۳۵

عزاداری کی ابتدا

گوکہ کسی بنیادی ماخذ سے امروہہ میں عزاداری کی ابتدا کی کوئی تاریخ متعین کرنا ممکن نہیں ہے مگر موجودہ رسوم و روایات اور سینہ بسینہ منتقل ہونے والی عام روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ امروہہ کی عزاداری کی جڑیں کئی صدیوں پیچھے تاریخ میں ملیں گی۔ عزاداری کے دو اہم ترین مظاہر، مجالس عزا اور جلوس عزا یعنی علموں اور تعزیوں وغیرہ کے جلوس میں سے جزو اول کی ابتدا بلکہ اس روایت کی مستقل موجودگی تو غالبًا سید شرف الدین شاہ ولایت کے دور میں بھی رہی ہوگی چونکہ صوفیا حضرات اس قسم کی مجالس میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے اور شاہ ولایت خود دسویں امام حضرت علی نقی علیہ السلام کی نویں پشت میں تھے۔ بہرصورت جہاں تک جلوسوں یا عوامی اظہار کا سوال ہے وہ یقینًا بہت بعد میں شروع ہوا۔ امروہہ کی تاریخ سے متعلق دو تین پرانی کتابوں (تاریخ واسطیہ، تاریخ اصغری اور نخبۃ التواریخ) میں عزاداری کی ابتدا ایک درویش شاہ مسکین سے منسوب کی گئی ہے جنھیں ڈاکٹر امام مرتضی نقوی نے محمود احمد عباسی کے حوالے سے گیارہویں صدی ہجری کی شخصیت بتایا ہے، جو اورنگزیب عالمگیر کا دور (۱۰۶۶ تا ۱۱۴۰ھ مطابق ۱۶۵۸ تا ۱۷۰۷ء) تھا۔[1] امروہہ کے سب سے قدیم ''چاند سورج کے امام باڑہ'' میں ایک قبر بھی انہی بزرگ سے منسوب ہے۔ چاند سورج کے امام باڑے (محلہ قاضی زادہ) امروہہ کے متعلق تاریخ واسطیہ نے لکھا ہے:

''یہ امام باڑہ قدیم ہے جو سید ناہر اور سید فیض کے نام سے مشہور ہے۔ یہ امام باڑہ عہد جلال الدین اکبر بادشاہ کا پایا جاتا ہے۔ اول امروہہ میں یہی امام باڑہ بنا ہوا تھا۔ زمانۂ ماضیہ میں کل شہر کے سادات و دیگر اشخاصِ مذہبِ شیعہ، مجتمع ہوکر اسی امام باڑے میں تعزیہ داری اور ماتم داری کرتے تھے''۔[2]

علی عباس نقوی صاحب نے بھی اپنے شواہد اور زبانی روایات کی روشنی میں اس امام باڑے (ادارے) کی عمر ۱۰۵۲ھ مطابق ۱۶۴۲ء سے (ہجری سال کے اعتبار سے) لگ بھگ پونے چار سو سال بتائی ہے جس کے لیے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کا حوالہ دیا ہے:

چون ناہر و فیضِ ذی مراتب   این بیتِ عزا قیام دادہ
کل اہل محلہ بعدِ صد سال   بنیادِ عمارتش نہادہ

۱- امروہہ کی عزاداری، مضمون ڈاکٹر امام مرتضی نقوی، ماہنامہ آج کل، دسمبر ۱۹۷۹ء
۲- منشی رحیم بخش، تاریخ واسطیہ، ص ۳۸۷

تاریخِ بنا بگفت ہاتف این بابِ نجات بر کشادہ ا؎

۱۰۵۲ھ

ان بیانات سے اور امروہہ کے بزرگوں کی بیان کردہ روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امروہہ کے وہ مخصوص 'علموں کے جلوس' (جن کا ذکر بعد میں آئے گا) اسی دور سے شروع ہوگئے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو صاحب تاریخ واسطیہ جنہوں نے امروہہ میں ہونے والی عزاداری اور امام باڑوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے وہ اس کا ضرور اظہار کردیتے۔

مجالس عزا

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ہندوستان میں عام طور پر عزاداری کے دو طریقے رائج ہیں۔ مجالس عزا اور تعزیوں اور علموں وغیرہ کے جلوس۔ دنیا کی تاریخ عزاداری میں ابتدائی اور بنیادی نکتہ مجلس عزا کا قیام ہے۔ ایسی روایات موجود ہیں کہ واقعۂ کربلا سے پہلے بھی جناب رسولؐ خدا، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، اور حضرت علیؑ نے واقعۂ کربلا کا ذکر اور اس پر گریہ فرمایا ہے۔ بہرطور، مجلس عزا کے عنوان سے سب سے پہلی وہ مجالس ہیں جو اس سانحے کے ظہور پذیر ہونے کے بعد جناب زینب نے شام میں برپا کیں جن میں شروع میں صرف افراد خاندان اور پھر کچھ اور خواتین شامل ہوئیں۔ اس کے بعد چوتھے امام، مظلوم کربلا حضرت امام زین العابدینؑ نے مردانی مجالس کی ابتدا کی اور پھر تمام ائمۂ معصومین، اور اس کے بعد لگ بھگ عام شیعہ گھرانوں، بہت سے غیر شیعہ حضرات، بلکہ غیرمسلم حضرات نے بھی اس سلسلے کو نہاں یا عیاں صورت میں جاری رکھا۔

امروہہ میں ہر چھوٹے بڑے امام باڑے میں اپنے اپنے مقررہ وقت پر محرم کی مجلسیں منعقد ہونا عزاداری کا لازمی جزو ہیں۔ ڈاکٹر امام مرتضٰی نے لکھا ہے کہ ۲۵ ذی الحجہ سے ۸ ربیع الاول تک ۷۲ دن مجالس کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جن میں ۲۵ سے رویت ہلال تک کے دنوں میں عام طور پر زنانی مجالس ہوتی ہیں۲؎۔ ۱۰ محرم تک کی مجالس میں چھوٹے امام باڑوں میں محلے کے چند گھروں کے افراد شامل ہوتے ہیں جبکہ شہر میں لگ بھگ ایک درجن امام باڑے ایسے ہیں جہاں بڑی مجالس ہوتی ہیں اور ان میں خاصی بڑی تعداد میں مؤمنین شرکت کرتے ہیں۔ علموں کے جلوسوں کے اوقات کی پابندی کی وجہ سے ان مجالس میں، جو صبح نو بجے سے پہلے یا رات کو ہوتی ہیں، مجمع کافی ہوتا ہے لیکن دن

۱- علی عباس نقوی، ص ۱۳۱ ۲- ڈاکٹر امام مرتضٰی، مضمون آج کل، دسمبر ۱۹۷۹ء

کے باقی حصے میں جو مجالس ہوتی ہیں، ان میں اس لیے کم لوگ شرکت کرتے ہیں کہ علموں کے جلوس میں شرکت کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

دس محرم کو دن میں بہت سے امام باڑوں میں مجالس ہوتی ہیں اور لوگ اعمال عاشورہ سے پہلے اور بعد میں، جہاں موقع ہوتا ہے، مجلس میں شرکت کرتے ہیں۔ روز عاشورہ کو چونکہ تمام امام باڑوں کی آرائش و زیبائش صبح ہوتے ہوتے بڑھادی جاتی ہے اس لیے امام باڑوں کے کم و بیش بے فرش و شامیانہ ماحول میں یہ مجالس بہت پراثر ہوتی ہیں اور ان اجڑے اجڑے امام باڑوں کو دیکھتے ہی خود بخود آنکھیں بھر آتی ہیں۔ نماز ظہر اور عصر کے درمیان مختلف امام باڑوں میں بہت سے معجزہ نما قدیم تبرکات کی زیارت اور ماتم ہوتا ہے جس میں ایک تسبیح کی زیارت، جس کے مختلف دانے سرخ ہوجاتے ہیں، خصوصی اہمیت رکھتی ہے اور شہر اور بیرون شہر کے مومنین بڑی تعداد میں اس کی زیارت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ اس موقعے پر سوزخوانی اور منبر پر بیان دونوں بے حد متاثر کن اور حزن افزا ہوتے ہیں۔

شب عاشور، اول وقت، شہر میں کئی مجلسیں شام غریباں کے عنوان سے ہوتی ہیں جن میں پورا ماحول کم و بیش بالکل تاریک ہوتا ہے۔ اعمال عاشورہ، تعزیوں، تربتوں، ضریحوں کے جلوسوں میں دن بھر شرکت، تبرکات کی زیارت سے پیدا ہوئی حزن و ملال کی کیفیت، فاقہ کشی کے بعد دن بھر کی تھکاوٹ اور واقعۂ کربلا کی جزوی تفصیلات کے تصور کے ساتھ دسویں رات کی نامکمل سی چاندنی میں یہ مجالس بے حد پُراثر ہوتی ہیں اور دل اتنا بجھا بجھا سا ہوتا ہے کہ طبیعت خود بخود مائل بہ گریہ ہوتی ہے۔

محرم کی مجالس میں تبرک ضرور تقسیم ہوتا ہے اور اس کی مالی ذمے داری محلے کے خاندانوں پر منقسم ہوتی ہے۔ دوسرے مسلکوں کے نسبتاً کم مایہ خاندانوں کے بچے خاصی بڑی تعداد میں ان مجالس میں شریک ہوتے رہے ہیں اور ان کی شرکت سے پیدا ہونے والے تھوڑے بہت غیر ضروری شور وغوغا کو ہمیشہ برداشت کیا جاتا ہے۔

چہلم تک اور ربیع الاول کے پہلے عشروں میں امروہہ میں بہترین مجالس ہوتی ہیں۔ ان کی چند خصوصیات میں، پورے ملک سے بلائے گئے بہت اچھے ذاکرین اور علماء کے علمی اور دینی خطابات، بڑی تعداد میں مومنین کی شرکت، تبرک کا تقسیم نہ کیا جانا وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر امام مرتضی صاحب نے اپنے متذکرہ بالا مضمون میں ان مجالس کی محلّہ وار تفصیلات دی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ

۱۱ محرم تا ۲۰ صفر گیارہ محلوں میں یہ مجالس ہوتی ہیں اور ہر مجلس میں سیکڑوں سے زیادہ مؤمنین شرکت کرتے ہیں۔ چونکہ ان مجالس کا ماحول خالص علمی، دینی یا ادبی ہوتا ہے اس لیے ان سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۱۹ اور ۲۰ صفر کی لگ بھگ صبح تک مجلس، نوحہ خوانی اور ماتم میں گزرتی ہے۔

علموں کے جلوس کی ابتدا

گو کہ کسی ماخذ سے علموں کے جلوس کی ابتدا کا تعین کرنا ممکن نہیں ہے پھر بھی پچھلی نسل کے بزرگوں کا خیال یہی تھا کہ اس کی ابتدا خود مسکین شاہ نے کی۔ گو کہ کچھ عرصے اس کی ابتدائی شکل غیر منظم اور غیر مستحکم سی رہی ہوگی مگر رفتہ رفتہ اس قدر مستحکم ہوتی چلی گئی کہ اب اس کی معمولی سے معمولی جزئیات بھی ایک پختہ روایت کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ متفقہ رائے یہی ہے کہ امروہہ میں تعزیوں کے جلوس سے قطع نظر جو کسی نہ کسی صورت میں اس سے پہلے بھی رہا ہوگا، علموں کا جلوس سب سے پہلے محلّہ قاضی زادہ، مسکن و مدفن مسکین شاہ سے ۸ محرم کو شروع ہوا۔ امروہہ کے علموں کا جلوس تعزیوں کے عمومی جلوس سے خاصہ مختلف ہوتا ہے جس کا اندازہ نیچے دی ہوئی تفصیلات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

راقم الحروف نے ۲۰۰۳ء میں اپنے ایک کتابچے میں اس جلوس کے بارے میں مندرجہ ذیل تاثر قلمبند کیا تھا:

"اگر ہم پورے جلوس کے ایک ایک جزو پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ اسے کچھ اس طرح منظم کیا گیا تھا کہ دیکھنے والے کے ذہن پر اظہار غم کے باوجود کسی قسم کی ہلچل، گہما گہمی یا اضطراب و بے چینی کا تاثر نہ پیدا ہو بلکہ ایک خاموش مگر گہرے حزن و ملال کا اثر پڑے، کسی قسم کے تماشے یا ظاہرداری (شو) کی سی کیفیت پیدا نہ ہو"۔[۱]

علموں کا جلوس مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

۱- اونٹوں کی قطار، ۲- پہلا ماتمی باجا، ۳- آرائش، ۴- حسینی باجا، ۵- علموں کی جوڑیاں، ۶- تخت، ۷- سلامی علم، ۸- دُلدل، ۹- دورہ، ۱۰- رضا کاروں کی صف، ۱۱- پانی، طبی امداد کی گاڑی اور ایمبولینس

ان حصوں کے مختصر تعارف کے بغیر جلوس کی اس مجموعی کیفیت اور تاثر کو سمجھنا مشکل ہے جو اس

۱- غلام حیدر مطبوعہ کتابچہ ۲۰۰۳ء، ص ۲۶

سے مجموعی طور پر پیدا ہوتا ہے چونکہ ان میں بعض نام اب اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، ان اصطلاحوں کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- **اونٹوں کی قطار:** یہ کربلائی قافلے کی یاد تازہ کرتی ہے اور پندرہ بیس اونٹوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ سب سے آگے والے اونٹ پر ایک سیاہ عماری ہوتی ہے جو کربلا کے سفر کی ابتدا میں خواتین کے پردے کے انتظام کی یاد دلاتی ہے۔ اس کے پیچھے اونٹوں پر جو بچے یا نوجوان بیٹھتے ہیں وہ دن بھر نان یا بسکٹ وغیرہ بطور 'توشہ' تقسیم کرتے ہیں۔

۲- **پہلا باجہ:** یہ دو تاشوں اور ڈھول پر مشتمل ہوتا ہے اور اسے پیشہ ور لوگ یا ان کے بچے بجاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اب یہ عمل موروثی سا بن گیا ہے اور یہ لوگ اجرت سے زیادہ عقیدت کے جذبے کے تحت باجا بجاتے ہیں۔

۳- **آرائش:** امروہہ میں یہ لفظ محرم کے سیاق میں خالص اصطلاح بن چکا ہے اور کسی باہر کے شخص کے لیے پورے جلوس میں یہ سب سے زیادہ متاثر کرنے والا حصہ ہوتا ہے۔ اس میں کم سے کم دو یا تین روشن چوکیاں[۱] ہوتی ہیں اور جس محلے کی طرف سے یہ علم اٹھائے جاتے ہیں اس کی مالی کیفیت کے مطابق لگ بھگ بارہ سے بیس بائیس تک دوسرے خوبصورت عدد ہوتے ہیں جو دستکاری اور اظہار عقیدت کے بہترین نمونے ہوتے ہیں۔ ان میں ضریح نما تخت، پالکیاں، نالکیاں، گہواروں کی شبیہیں، پھولوں، یا تازی ہری گھاس سے بنے ہوئے تخت، بہترین خرادی دستکاری کے نمونے (جس کے لیے امروہہ صدیوں سے مشہور ہے) قیمتی کپڑوں اور کڑھائی، بنائی کے لاجواب نمونے وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ روشن چوکی کے علاوہ ہر تخت کو کم سے کم دو، چار یا اس سے زیادہ کہار اٹھاتے ہیں۔

روشن چوکی ان میں سب سے بھاری عدد ہوتا ہے۔ اس میں دو افراد ایک یا دو مخصوص تالوں کی نوبت بجاتے ہوئے اور ایک شخص نفیری پر کسی پُرسوز نوحے کی معروف دھن بجاتے ہوئے پورے شہر میں گشت کرتے ہیں۔ کسی ایک روشن چوکی میں رکھی ہوئی دیگ سے پلاؤ تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱- روشن چوکی: وہ چار آدمیوں کا گروہ جو دولھا یا بادشاہ کی سواری کے ساتھ نفیری بجاتے ہوئے ..... نوشہ کے قریب چلتا ہے۔ (فرہنگ آصفیہ)، ایک قسم کی باجے والوں کی چوکی۔ (نوراللغات)
امروہہ میں اسے غیر معمولی موٹائی کے دو بانسوں پر رکھ کر مضبوط جسم والے کم سے کم بارہ کہار کندھوں پر اٹھائے لیے چلتے ہیں۔ روشن چوکی کو مضبوط لکڑی کا شش پہل یا ہشت پہل ایک تخت کہا جاسکتا ہے جس میں نیچے پائے اور اوپر چھ یا آٹھ محراب داروں والی لکڑی کی دیواریں ہوتی ہیں جن پر اتنے ہی پہلوؤں کا ایک کلس دار گنبد ہوتا ہے۔ اسے لکڑی کے نازک خرادی کام سے مزین بھی کیا جاتا ہے۔

۴-**حسینی باجا:** اس میں دو تاشے کئی ڈھول اور کئی جھانج ہوتے ہیں اور دس دس، پندرہ پندرہ بجانے والے دو رویہ آگے بڑھتے ہیں۔ اس باجے کی دو یا تین مخصوص تالیں ہیں صرف انھی کو بجایا اور ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ اب اس میں یہاں تک نزاکت پیدا ہو چکی ہے کہ کس جگہ، اور امام باڑے میں جلوس کے داخلے اور واپسی کے وقت کون سی تال بجائی جائے گی۔ یہ بات بالکل طے ہے اور اس سے سرِ مو فرق ممکن نہیں ہے۔ گو کہ حسینی باجا بجانے والے عام طور پر بالکل موسیقی ناشناس افراد ہوتے ہیں مگر بچپن میں لگ بھگ ہر بچہ اسے سیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور دس بارہ برس کی عمر تک اکثر نوخیز اس میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ متواتر اور چشم دید روایات بتاتی ہیں کہ اب سے سو سوا سو برس پہلے تک یہ باجا بھی پیشہ ور میراثی وغیرہ (جو یہاں کے متمول افراد کی 'رعیت' کہے جاتے تھے) بجاتے تھے۔ کسی بات پر ان بن ہوئی تو شیعہ عزاداروں نے تاشے اپنے گلوں میں ڈال لیے، کچھ بعد میں معافی تلافی پر پہلا باجہ انہیں واپس کر دیا گیا مگر یہ اہم 'حسینی باجا' اپنے پاس ہی رکھا گیا۔

۵-**علم:** امروہہ میں خاص جلوس کے علم صرف دو طرح کے ہوتے ہیں ایک 'پھریرے کا علم' اور دوسرا 'تلواروں کا علم'۔ پھریرے کا علم ایک اونچی چھڑ اور سفید چادر سے بنایا جاتا ہے اور چادر پر خون سے مشابہ رنگ کے چھوٹے بڑے چھینٹے دے دیئے جاتے ہیں۔ کچھ دور سے دیکھنے پر لگتا ہے جیسے سفید چادر پر تازے خون کے دھبے پڑے ہوں۔ اوپر ایک چھوٹی سی سوکھی مشک اور تیر بھی باندھا جاتا ہے اور سب سے اوپر بھالے جیسی دھات کی ایک چمک دار 'بوری' (پھل) ہوتی ہے۔ یہ علم حضرت عباسؑ علمدار کے علم کی شبیہ ہوتا ہے۔ 'تلواروں کا علم' پانچ چھ میٹر اونچی ایک مضبوط چھڑ ہوتی ہے جس کے اوپری سرے پر ایک کمان (کمنٹھا) بندھی ہوتی ہے۔ کمنٹھے کے دونوں سروں پر دو تلواریں لٹکی ہوئی ہیں۔ کمنٹھے کے بیچ میں دو تیر ایک دوسرے پر 'کراس' رکھ کر باندھ دیے جاتے ہیں۔ سب سے اوپر ویسی ہی چمکدار 'بوری' ہوتی ہے جیسی پھریرے کے علم پر ہوتی ہے۔ یہ پچھلے دور کے ہتھیاروں کی شبیہ ہے۔ جلوس میں ان دونوں علموں کی کئی کئی جوڑیاں آگے پیچھے قطار میں ہوتی ہیں۔

۶-**تخت:** اصل میں یہ تربت یا قبر کی شبیہ ہوتی ہے جسے امروہہ میں 'تخت' کہا جاتا ہے۔ اس پر سفید چادر منڈھ کر اس پر خون جیسا رنگ چھڑک دیا جاتا ہے اور سرہانے کی طرف ایک عمامہ رکھ دیا جاتا ہے۔ اسے چار افراد کندھوں پر اٹھائے ہوتے ہیں اور یہ اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ جب اسے گھروں میں خواتین کی زیارت کے لیے لے جایا جاتا ہے تو اسے محلے کے سات آٹھ سال کے بچے اپنے

کندھے پر اٹھاتے ہیں، مائیں اپنے چھوٹے بچوں کو ان کی زندگی اور صحت و سلامتی کے لیے اس کے نیچے سے نکالتی ہیں اور شیعہ حضرات سے زیادہ سنی حضرات اور کچھ ہندو حضرات بھی بڑی عقیدت سے یہ عمل انجام دیتے ہیں۔

۷- **ذُلذُل:** یہ خوبصورت، صحتمند، بالکل سفید گھوڑا ہوتا ہے۔ امروہہ میں بیک وقت دو یا تین گھوڑے، جنہیں لوگ منت کے طور پر نذر کرتے ہیں، مستقل پالے جاتے ہیں اور ایک اچھا گھوڑا پالنے کے تمام لوازمات عقیدتمندی کے ساتھ پورے کیے جاتے ہیں۔علموں کے لیے ذُلذُل کو ایک سرخ رنگ چھڑکی ہوئی چادر، ایک عمامہ، تمام ساز اور زیور وغیرہ سے سجایا جاتا ہے۔کبھی کبھی اس کے ایک طرف تلوار اور ڈھال بھی لٹکائی جاتی ہے۔ ۲۵ ذی الحجہ سے گھوڑے پر صرف ایک چادر ڈال کر تمام امام باڑوں، ڈیوڑھیوں اور صحنوں میں گشت کروائی جاتی ہے تاکہ دوران جلوس اسے لگ بھگ ۱۵۰ مختلف جگہوں پر جانے، چھوٹے چھوٹے دروازوں میں داخل ہونے، ایک دو سیڑھیاں پھلانگنے، پتلے پتلے موڑوں میں مڑنے اور گھومنے کی عادت ہوجائے۔ عام طور پر یہ گھوڑے اتنے نرم مزاج ہوجاتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے، جوان میں بے حد دلچسپی لیتے ہیں، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ راقم الحروف کی لگ بھگ ساٹھ پینسٹھ سال کی یاد میں کوئی قابل ذکر حادثہ نہیں ہوا۔ البتہ ایک گھوڑا بوڑھا اور بیمار ہوکر جب ۱۱ محرم کو مرا تو اس کے مردہ جسم کو شہر میں گشت کے بعد دفن کیا گیا۔

۹- **دورہ:** یہ لفظ ان عزاداروں کے لیے ایک اصطلاح بن گیا ہے جو علموں کے جلوس میں شرکت کرتے ہیں۔ امروہہ میں محرم کے تمام جلوسوں میں شامل تمام عزادار، خواہ کسی حیثیت کے ہوں، ننگے سر اور ننگے پیر اور بہت سے لوگ سیاہ کرتے وغیرہ میں ملبوس ہوتے ہیں، صرف بہت بوڑھے لوگ، بیمار یا مولوی حضرات کسی قدر احساس خفت اور عذر خواہی کے انداز میں بہت معمولی سے چپل پہنے بالکل پیچھے یا ایک کنارے پر چلتے ہیں۔ پورے شہر میں ان دنوں میں 'میر صاحبان' کی یہ شناخت بن چکی ہے کہ وہ ننگے سر اور ننگے پیر نظر آتے ہیں۔شہر کے عام لوگوں پر اس کا ایک عجیب سا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ فوج کے کرنل، ایئر فورس کے پائلٹ، بڑے بڑے رؤسا، مشہور شخصیتیں (جیسے کمال امروہوی، صادقین آرٹسٹ، رئیس امروہوی، جون ایلیا مرحومین وغیرہ) شہر میں ننگے پیر، ننگے سر نظر آتے ہیں۔ اس روایت میں جما دینے والی سردی، شدید تپتی بھنتی گرمی، اچھی بری سڑکیں، اور برسات کی کیچڑ اور گندگی کوئی فرق پیدا نہیں کرتیں۔

دروہ، جس کی تعداد خصوصاً صبح و شام کے وقت تین چار ہزار اشخاص سے بھی تجاوز کر جاتی ہے وہ پانچ سے سات آٹھ عزاداروں کی علاحدہ علاحدہ صفوں پر مشتمل ہوتا ہے جس کا ہر شخص بائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ساتھی کی کمر پر کرتے یا شیروانی کو پکڑے رہتا ہے تاکہ صف کی تنظیم قائم رہے۔ آج بھی کچھ بزرگ کمر پر کالا یا ہرا رومال باندھے نظر آ جاتے ہیں جو کچھ عرصے پہلے تک محرم کی لباس کا ایک جزو مانا جاتا تھا۔ اس طرح عزاداروں کی سیکڑوں صفیں ایک دوسرے کے پیچھے ایک خاص درمیانی فاصلہ بنائے آگے بڑھتی ہیں جن میں جوان، بوڑھے، بچے اور بزرگوں کی گود میں بہت چھوٹے بچے شامل ہوتے ہیں۔ ان صفوں میں آگے کی ایک یا دو صفوں میں بہت بلند آوازوں والے کچھ نوجوان اور بزرگ ایک بہت آسان فارسی نوحے کے مختصر سے مصرعوں کو اونچی آوازوں میں پڑھتے ہیں جس کے جواب میں دورہ کا ہر شخص، حسینؑ، حسینؑ حسینؑ کہتا ہے۔ اس طرح ایک منٹ میں کم سے کم دس مرتبہ ہر مصرعے کے بعد ایک مقررہ وقت کے ساتھ 'حسینؑ حسینؑ حسینؑ' دہرایا جاتا ہے۔ نوحے کے کچھ مصرعے اور ان کے جواب نیچے دہرائے جا رہے ہیں:

۱- شہیدِ کربلا حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۲- رئیسِ کربلا حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۳- امیرِ کربلا حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۴- راکبِ دوشِ مصطفیٰ حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۵- حامیٔ دینِ مصطفیٰ حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۶- فدیۂ دینِ مصطفیٰ حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۷- عاشقِ کبریا حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۸- بے مونس و آشنا حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۹- تشنۂ کربلا حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ
۱۰- کشتۂ خنجرِ جفا حسینؑ	حسینؑ حسینؑ حسینؑ

میرے خیال میں ۳ محرم سے ۸ محرم تک روزانہ گیارہ بارہ گھنٹے کے جلوس میں اوسطاً دو ڈھائی ہزار افراد کے منھ سے جتنی بار حسینؑ کا نام لیا جاتا ہے، شاید اتنا پوری دنیا میں پورے محرم میں نہ دوہرایا جاتا ہو۔

جب جلوس شہر کے لگ بھگ سو امام باڑوں میں سے کسی امام باڑے پر پہنچتا ہے تو کچھ مقررہ عمل بیک وقت انجام دیئے جاتے ہیں۔ 'سلامی علمؑ' کو منبر سے مس کر کے امام باڑے کو سلامی کی روایت پوری ہوتی ہے۔ چونکہ اس ماتم کا طریقہ عام ماتموں سے کافی مختلف ہوتا ہے اس لیے اس کی تفصیل مختصراً بیان کرنا ضروری ہے۔ محلے کے بچے، نوجوان، جوان، اور ادھیڑ اور شہر کے ماتم دار تیزی سے ایک حلقہ بنالیتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے اپنے ساتھی کی کمر پر کپڑے کو پکڑ لیتے ہیں۔ محلے یا شہر کے سوزخواں کسی مرثیے کا پُرسوز بند پڑھتے ہیں۔ اس پر ماتم کرنے والے تھوڑا جھک کر دوبار ہلکے ہاتھ سے ماتم کرتے ہیں، پھر سیدھے کھڑے ہوکر دوبار کچھ زور سے سینے پر ہاتھ مارتے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک مقررہ توازن کے ساتھ مرثیے کے پہلے چار مصرعوں پر کچھ آہستہ ماتم کے ساتھ چلتا ہے۔ پھر جیسے ہی 'ٹیپ' کا پہلا مصرعہ اٹھتا ہے بہت زور سے ماتم شروع ہوتا ہے مگر پہلے دو ہلکے ہاتھوں کے لیے جھکنا اور زوردار ہاتھوں کے لیے سیدھے ہونے کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے۔ اب سوزخوانوں کی اونچی آوازیں بھی شدید ماتم کی آوازوں میں لگ بھگ ڈوب سی جاتی ہیں۔ چھٹے مصرعے کے آخری حصے تک بہت زور کا ماتم ہوتا ہے اور جیسے ہی چھٹا مصرعہ ختم ہونے والا ہوتا ہے کوئی بزرگ فوراً حسینؑ حسینؑ حسینؑ کہنا شروع کردیتا ہے اور ماتم ہلکا ہوجاتا ہے۔ اگلے بند کے پہلے چار مصرعوں تک ماتم پھر ہلکا ہوتا ہے اور ٹیپ پر پھر شدید ماتم ہوتا ہے۔ یہ ماتم اتنا سخت ہوتا ہے کہ دو یا تین بندوں میں ہی ماتم داروں کے سینے سرخ ہوجاتے ہیں اور کھال پر خون جھلکنے لگتا ہے۔

امام باڑے کے صحن میں یہ ماتم ہوتا رہتا ہے اور اس دوران تخت اور گھوڑا محلے کے زنانہ امام باڑوں اور مخصوص گھروں میں بوڑھوں اور معذور مومنین کی زیارت کے لیے لے جایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی بہت معذور بزرگوں کو چارپائی پر لٹا کر امام باڑوں میں زیارت کے لیے لے آتے ہیں۔ گھوڑا اور تخت اپنی مقامی گشت سے جیسے ہی اپنے مقررہ مقام پر پہنچتے ہیں، ڈنکے (تاشے) پر چوٹ پڑتی ہے، ماتم کرنے والے اور دوسرے لوگ تیزی سے صفیں بناتے ہوئے جلوس میں شامل ہوجاتے ہیں۔

اسی دوران بہت سے امام باڑوں میں عوام کے لیے چائے، شربت، نیاز نذر اور حاضری کے کھانوں وغیرہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے بچے، نوجوان اور باہر سے آئے ہوئے لوگ کھانے یا چائے کے لیے اپنے گھر نہیں آتے، صبح نکل کر شام کو علم پہنچا کر ہی گھر لوٹتے ہیں۔

صدیوں کی طویل مشق سے اب یہ روایات نسلاً بعد نسلٍ ایک فطرت ثانیہ سی بن گئی ہیں اور جلوس کا سارا نظام ایک خودکار مشین کی طرح کسی ہدایت یا کمانڈ کے بغیر سکون سے برابر چلتا رہتا ہے۔ ہر تاریخ کے راستے، گلیاں، کوچے، موڑ اور اوقات دو ڈھائی سو سال سے متعین ہیں اور ان کی سختی سے پابندی بھی ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کسی شخص کو ہندوستان کا وقت معلوم ہو تو وہ خواہ دنیا کے کسی کونے میں بیٹھا ہو یہ یاد کرسکتا ہے (اور فی الحقیقت یاد کرتا بھی رہتا ہے) کہ کس تاریخ کے علم اس وقت کس موڑ یا کس امام باڑے سے گزر رہے ہوں گے۔

دیرینہ روایات کی پابندی، صدیوں کے آپسی روادارانہ گہرے مراسم، بہت حد تک عقیدت اور اپنے شہر کی ایک دیرینہ مقدس روایت کے احترام کے قابل قدر جذبے کے تحت شہر میں آباد ہر فرقہ، ہر مسلک اور ہر مذہب کے لوگ محرم کی تمام رسوم میں مکمل تعاون دیتے ہیں اور ایثار و قربانی اور خاطر و مدارات کے بہت خوبصورت اور ہمت افزا نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر جلوس کے راستوں پر لوگ اپنی خوشی کی تقریبات، یہاں تک کہ ہندو حضرات اپنے دسہرہ وغیرہ کے جلوسوں کو اس وقت تک ملتوی کرنے کے لیے بہ خوشی تیار رہتے ہیں جب تک علموں کے جلوس ان راستوں سے پوری طرح نہ گزر جائیں۔ جگہ جگہ سنی المذہب حضرات، سبیلوں اور چائے کا انتظام کرتے ہیں۔ بہت سے غیر شیعہ حضرات شرکت بھی کرتے ہیں۔ ہندو حضرات جلوس گزرتے وقت اپنی دکانوں میں ادب سے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بجلی کے پنکھوں کے رخ دورہ کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ اپنے بالاخانوں اور سڑک کے کنارے اپنے رہائشی گھروں کے چھجوں کو واقف کار خاندانوں کی عورتوں کے لیے وقف کردیتے ہیں کہ وہ وہاں سے علموں کی زیارت کریں۔ غرض ان دس دنوں میں عام طور پر ایک تقدس و احترام کا ماحول پورے شہر پر چھایا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

۳ تا ۱۰ محرم، تاریخ وار تفصیلات

امروہہ کی عزاداری میں پہلی اور دوسری محرم کو کوئی جلوس نہیں نکلتا، مگر صبح کو آنکھ کھلتے ہی نوبت اور نفیری کی آوازیں محرم شروع ہونے کی یاد دہانی کرتی ہیں۔ ہر امام باڑے میں صبح و شام اور اس وقت نوبت بجائی جاتی ہے جب وہاں علم آتے ہیں اور واپس جاتے ہیں۔ صدیوں سے نوبت بجانے والے خاندان نسلاً بعد نسلٍ اس روایت کو پورا کررہے ہیں۔

۳ محرم: گوکہ تمام شواہد سے یہ بات طے ہے کہ امروہہ میں علموں کا پہلا جلوس محلہ قاضی زادوں

سے ۸ محرم کو برآمد ہوا تھا اور ان کی تاسّی میں رفتہ رفتہ دوسرے امام باڑوں سے جلوس برآمد ہوئے، مگر موجودہ صورت یہ ہے کہ پہلا جلوس محلّہ پچدرہ میں ولیا کے امام باڑے سے نکلتا ہے۔ اس کے بارے میں تاریخ واسطیہ کا بیان ہے:

''......عرصہ قریب چالیس سال کا گزرا کہ یہ امام باڑہ مسمّی شیخ ولّی نے باستعانت و امداد سادات امروہہ تعمیر کرایا تھا۔ بعد چند سال کے اس کا انتقال ہوگیا تھا تیسری تاریخ کو اس امام باڑے کے علم اٹھتے ہیں''۔[۱]

امروہہ کے ایک عالم دین مصنف و محقق مولوی صفی مرتضی صاحب کا بیان ہے:

''...... اس کا اصلی نام ولی محمد تھا، قوم کا پٹھان...... معمولی آدمی اور غریب تھا۔ امام حسین علیہ السلام سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ مختلف تاریخوں میں نشان اور علم نکالتا تھا، مگر ۳ محرم کو جلوس ضرور نکالتا تھا۔ یہ جلوس بچوں اور اہل سنت کے عوام پر مشتمل ہوتا تھا۔ اپنی ساری کمائی عشرۂ محرم کے لیے محفوظ رکھتا تھا اور شہر میں بصورت غلہ چندہ بھی حاصل کرتا تھا جس میں سادات کا خاصہ حصہ ہوتا تھا...... اس کے انتقال کے بعد اس کی والدہ (کھونجی) جلوس نکالتی رہی۔ اس وقت تک یہ جلوس تمام تر اہل سنت پر مشتمل تھا۔ رفتہ رفتہ یہ جلوس شیعوں کا ہوگیا''۔[۲]

۴ محرم: محلّہ مچھرہٹہ سے ۴ محرم کا جلوس نکلتا ہے اور امروہہ کی متفقہ روایات کے مطابق مولوی صفی مرتضی صاحب کا بیان ہے:

''...... یہ حرمت شاہ کا امام خانہ کہلاتا ہے۔ حرمت شاہ ایک عورت تھی جو قوم کی فقیر تھی اور اپنی مریدہ رجب شاہ کے ساتھ رہتی تھی...... چونکہ (یہ دونوں) عزاداری سید الشہداء کی شائق تھیں اس لیے سید جمال علی صاحب نے حرمت شاہ کے لیے یہ عزاخانہ تعمیر کیا جو صرف زنانہ امام باڑہ تھا...... اس حساب سے ۱۲۷۰ھ وہ پہلا سال ہے جس میں عزاخانے سے پہلا جلوس برآمد ہوا''۔[۳]

اس کا مطلب ہے قمری سال کے اعتبار سے یہ جلوس لگ بھگ ۱۵۷ سال پرانا ہے۔

۵ محرم: محلّہ سدّو سے ۵ محرم کو علم نکلتے ہیں۔ سدو کا محلّہ امروہہ میں سب سے پرانی مسجد کی عمارت کی وجہ سے مشہور ہے جہاں معزالدین کیقباد (۹۰-۱۲۸۷ء) کے دور کی ایک مسجد کافی شکستہ حالت میں ابھی موجود ہے۔ پروفیسر عزیزالدین نے اس کا سنہ تعمیر ۱۲۸۷ء بتایا ہے [۴]۔ ۵ محرم کے

۱۔منشی رحیم بخش، تاریخ واسطیہ، ص ۱۹۳ ۲۔علی عباس نقوی، ۶۲، ۶۳ ۳۔ایضاً، ص ۶۹-۱۶۸ ۴۔پروفیسر عزیزالدین حسین، ص ۱۴

علم جس امام باڑے سے نکلتے ہیں اسے رفاقی سقے کا امام باڑہ کہا جاتا ہے۔ رفاقی اور اس امام باڑے پر علی عباس نقوی کے مندرجہ ذیل جملے کچھ روشنی ڈالتے ہیں:

''...... رفاقی رسولِ مقبولؐ اور ان کی آل پاک سے روحانی عقیدت کی بناء پر عزاداری امام مظلوم علیہ السلام میں عملی طور پر حصہ لینے کا آرزومند تھا...... رفاقی مذکور نے اپنے چھوٹے سے مکان کو عزاخانہ قرار دیا۔ اس نے اپنی برادری اور دیگر لوگوں کو اکٹھا کر کے ۵ محرم کو جلوس نکالا...... ۵ محرم کے اس جلوس کا آغاز ۱۲۴۰ھ میں ہوا تھا یہ ایک سو ساٹھ سال (۲۰۰۶ء میں ۱۶۶ سال) پرانا جلوس آج بھی سقوں کے علم و جلوس کے نام سے مشہور ہے''۔[۱]

اس کے بعد اس امام باڑے کے تمام اخراجات اور ذمہ داریاں امروہہ کے ایک بہت جانے پہچانے کمبوہ خاندان نے اپنالیں۔

۶- محرم، محلہ کالی پگڑی: مسماۃ نورن کا امام باڑہ 'امروہہ کے عزاخانے' کتاب میں دی گئی تفصیلات کے مطابق:

''مسماۃ نورن بنت عبداللہ زوجہ سردار خاں، شاہجہاں آباد سے آکر سکونت پذیر ہوئیں...... ۱۲۲۲ھ میں وہ امام باڑہ بنوا کر بہ کمال عقیدت و احترام، عزاداری...... میں صبح و شام مصروف رہنے لگیں''۔[۲]

اسی امام باڑے سے ۶ محرم کے علم اٹھتے ہیں۔

۷ محرم: محلہ کٹرہ غلام علی، امام باڑہ سید مظہر علی خاں مرحوم

اس امام باڑے اور یہاں سے اٹھنے والے علموں کے بارے میں امروہہ کے عزاخانے میں دی گئی تفصیلات کے مطابق:

''سید مظہر علی خاں...... فرخ شاہ بادشاہ دہلی کے عہد سے احمد شاہ کے عہد تک بڑے بڑے مناصب اور عہدوں پر فائز تھے۔ یہ امام باڑہ انہی کا قائم کردہ ہے''۔[۳]

اس امام باڑے کو تقریباً دو سو سال پرانا بتایا گیا ہے۔ یہیں سے ۷ محرم کے علم نکلتے ہیں۔ اس علاقے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک عرصۂ دراز سے اس امام باڑے کے گرد و پیش زیادہ تر ہندو حضرات کی آبادی ہے، گنتی کے چند گھر شیعہ خاندانوں کے ہیں مگر یہاں کی تمام آبادی اس محلے

۱- علی عباس نقوی، ص ۵-۱۰۴ ۲- ایضاً، ص ۱۲۹ ۳- ایضاً، ص ۱۳۳

کے علموں اور دوسرے علموں کو بہت احترام اور تعاون دیتی رہی ہے جو امروہہ کی پوری بستی کی دیرینہ روایت رہی ہے۔

۸ محرم: محلہ قاضی زادہ، چاند سورج کا امام باڑہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا یہ امام باڑہ امروہہ کا قدیم ترین امام باڑہ ہے اور یہاں سے اٹھنے والے علموں کا جلوس امروہہ میں سب سے پہلا منظم جلوس ہے۔ امروہہ کی پچھلی سے پچھلی نسل کے ایک عالم اور محقق علامہ شفیق حسن نے اپنے شواہد سے یہاں سے علموں کے پہلی بار اٹھنے کا سال ۱۲۱۲ھ متعین کیا ہے۔[1] چونکہ یہاں کے علم سب سے پرانے اور پہلے علم ہیں اس لیے اس میں سب سے زیادہ آرائش اور ان تمام پانچ امام باڑوں کے علموں کی ایک ایک جوڑی ہوتی ہے جہاں ۳ سے ۷ تک کے علم اٹھتے ہیں۔ ہندوستان کے ہر کونے میں آباد امروہہ کے شیعہ اور بہت سے سنی حضرات، یہاں تک کہ پاکستان، آسٹریلیا اور مغربی ممالک میں سکونت پذیر امروہہ کے شیعہ حتی المقدور کم سے کم اس تاریخ کو امروہہ ضرور آتے ہیں یا آنے کی حسرت انہیں پورے دس دن اداس کیے رہتی ہے۔ جو لوگ دن کے ابتدائی حصے میں کسی مجبوری کے تحت شریک نہیں ہو پاتے وہ بالکل آخری حصے علموں کی واپسی میں شرکت کو بھی غنیمت تصور کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا تاریخی شواہد اور روایات کی روشنی میں کچھ دلچسپ حقیقتوں اور ان سے پیدا ہونے والے اثرات کا اظہار ہوتا ہے۔ علموں کے کل چھ جلسوں میں سے چار کی ابتدا صوفی قسم کے فقیروں نے کی، ایک خاتون امروہہ سے باہر کی تھیں، صرف ایک صاحب امروہہ کے سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امروہہ میں شیعہ سنی اور ہندو حضرات محرم کی رسوم کو اپنا آبائی ورثہ سمجھ کر اس میں شرکت کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ بہت سی ذاتی وجوہات کی بناء پر ایک عرصے تک میں محرم میں امروہہ جانے کو ناغہ کرتا رہا۔ ایک موقع پر میرے مقررہ پان سگریٹ والے نے، جو سنی المذہب تھا، مجھ سے تنبیہاً کہا تھا: 'میاں! اب کی بار تم محرم میں امروہہ نہیں گئے؟ یہ اچھی بات نہیں ہے'۔

یوں تو 'حاضری' کے کھانوں کا سلسلہ کم وبیش ۳ محرم سے ہی شروع ہو جاتا ہے لیکن یہ سلسلہ تاریخ بہ تاریخ بڑھتا جاتا ہے اور آٹھویں تاریخ کو تو شاید ہی کوئی محلہ ایسا بچتا ہو، جہاں شیعوں کی قابل شمار آبادی ہو اور وہاں ایک دو حاضریاں عوامی سطح پر نہ ہوتی ہوں۔ ۸ محرم سے ہی دوپہر کے بعد سے

۱۔ علی عباس نقوی، ص ۲۳-۱۲۲

مختلف امام باڑوں میں زنجیروں کے ماتم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو علموں کی واپسی تک چلتا ہے۔ زنجیروں کا ماتم ۱۰ محرم کو بھی ہوتا ہے۔ ۸ محرم کی بہت زیادہ گہما گہمی کے بعد شام سے ہی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے امروہہ سے محرم رخصت ہوگیا گو کہ اگلے دو دن بھی کافی پروگرام ہوتے ہیں اور مختلف محلوں میں چھوٹے چھوٹے مقامی جلوس نکلتے رہتے ہیں جن میں 'مقتی علم چڑھانا' نیاز نذر وغیرہ شامل ہیں۔

۹ محرم: بنیادی طور پر مجلسوں کا دن ہوتا ہے۔ آج کی مجلسیں نسبتاً تاخیر سے شروع ہوتی ہیں اور طویل ہوتی ہیں کیونکہ آج علموں میں شرکت کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ شام کو مغرب سے کچھ پہلے دربار کلاں کے امام باڑے سے نشانوں کی جوڑیاں برآمد ہوتی ہیں جن کے ساتھ مومنین چھوٹے چھوٹے گروپوں میں مناقب پڑھتے ہوئے چلتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس امام باڑے میں حضرت شہید کے نیزے کی 'بوری' اور تلوار کے تبرکات موجود ہیں۔ 'بوری' کو ایک نشان میں لگایا جاتا ہے۔ نشانوں کا یہ جلوس جگہ جگہ رکتا ہوا رات کے شروع حصے میں کنکوئی کے امام باڑے پہنچتا ہے جو ۱۱۸۰ھ کی تعمیر ہے۔[۱]

مغرب کے بعد سے لوگ الوداعی سلام کے لیے امام باڑوں کی گشت شروع کرتے ہیں۔ ہر امام باڑے میں روشنی کی جاتی ہے اور یہ اس وقت پوری طرح آراستہ ہوتے ہیں۔ عزاداروں کی ٹولیاں ایک ایک امام باڑے میں جاتی ہیں، نوحے پڑھتی ہیں، ماتم کرتی ہیں اور اگر بتیاں اور موم بتیاں جلاتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہیں۔ چونکہ لگ بھگ سو امام باڑوں کی گشت ہوتی ہے اس لیے یہ سلسلہ لگ بھگ صبح تک چلتا رہتا ہے۔

۱۰ محرم: عاشورہ محرم کی رسوم میں اعمال عاشورہ 'تربتوں' کے مختصر جلوس اور دوپہر بعد تعزیوں کے بڑے جلوس کم و بیش اسی انداز کے ہوتے ہیں جیسے ہندوستان کے دوسرے شہروں میں ہوتے ہیں۔ امروہہ میں تعزیہ صرف ایک بنتا ہے جو محلّہ شفاعت پوتوں کا ہوتا ہے اور بہت اونچا اور بھاری ہوتا ہے۔ باقی محلوں کے امام باڑوں کی بہت خوبصورت ضریحیں اٹھائی جاتی ہیں۔ آس پاس کے کچھ گاؤں سے بھی تعزیے آکر شامل ہوجاتے ہیں اور یہ سب دوپہر سے شام تک شہر کے مقررہ راستوں سے گزرتے ہوئے اپنے امام باڑوں میں واپس ہوجاتے ہیں۔ جیسا اوپر بیان کیا جاچکا ہے شروع رات میں شام غریباں کی مجلسوں کے ساتھ محرم کا یہ عشرہ ختم ہوجاتا ہے اور اگلے دن سے چہلم کے

۱۔ علی عباس نقوی، ص ۱۳۹

عشروں کی مجالس کی ابتدا ہوجاتی ہے۔

لگ بھگ پچاس سال سے ان تمام امور کو منظم اور مرتب رکھنے کے لیے ایک تنظیم 'انجمن تحفظ عزاداری' پوری ذمے داری سے کام کررہی ہے۔ اسی طرح روزانہ کے انتظامات کی دیکھ بھال اور اس سلسلے کی تمام مشقتیں اور پریشانیاں جھیلنے والے اور ہر وقت مدد کرنے والے با ہمت اور بے لوث افراد کی ایک انجمن 'رضا کاران' ہے۔ یہ لوگ راستوں کی صفائی ستھرائی، اوپر لگے ٹیلی فون اور بجلی کے تاروں سے علموں اور تعزیوں کے بچائے رکھنے، جلوس کی رفتار کو وقت کا پابند رکھنے، پانی کی فراہمی، فوری طبی امداد، ایمبولینس وغیرہ کا کام اتنی جاں فشانی اور مستعدی سے کرتے ہیں کہ جلوسوں میں کبھی کوئی رکاوٹ یا رخنہ پیدا نہیں ہوتا۔

اس طرح امروہہ کی کل آبادی کی زندگی کے سماجی، معاشی، دینی اور عقیدتمندانہ رخ کا ایک مظہر یہاں کی عزاداری ہے جو کئی صدیوں سے امروہہ کے لیے ایک نعمت کی طرح سایہ فگن ہے۔